حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں قانون سازی کے اصول

* محمود سلطان کھوکھر

** سعید الرحمٰن

Abstract

The doctrine of Ijtehad enjoys a prominent role in Islamic legal system. The doctrine was introduced extensively in era of Hazrat Omer bin Khattab, 2nd Caliph of 1st Islamic State (13-23 AH). He introduced many decisions under this doctrine called Awaliyat-e-Umar. He focused on sprit of Islamic Shariah. His legislation was based on consultative method rather than authoritative one. He also welcomed some useful practices which were followed by non-muslims. In this article these significant principles are being highlighted which are deduced from Hazrat Omer's decisions. These principles have a significant role for Islamic legislation in present era.

تعارف:

حضرت عمرؓ (13ھ تا 23ھ) (1) کے دور میں جو قانون سازی ہوئی وہ اسلامی فقہ واجتہاد کا ایک روشن باب ہے اور بعد میں آنے والے فقہائے اسلام اور مقنّنہ کے لئے منارہ نور رہے۔ یہ وہ عہد ہے جس میں اسلامی سلطنت مراکش سے لے کر آذربائیجان تک پھیل چکی تھی۔ عرب کی نسبتاً سادہ معاشرت کے ساتھ روم وایران کی قدیم تہذیبوں کی آمیزش ہوئی۔ اس دور میں نئے نئے مسائل سامنے آنے لگے۔ چونکہ اجتہاد کا دروازہ کھلا تھا لہٰذا درپیش مسائل کو حل کرنے میں کوئی دقت پیش نہ آئی۔ دور فاروقی میں زندگی کے مختلف شعبوں کے بارے میں اجتہادات موجود ہیں جو آئندہ زمانوں کے لئے مشعل راہ ثابت ہوئے۔ خلافت راشدہ کے دور سعید کے بارے میں ارشاد نبوی ﷺ ہے:

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمهدِيّيْنَ (2)

---

*اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان

**چیئرمین، پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان

''تم پر میری سنت اور خلفاء راشدین جو ہدایت یافتہ ہیں ان کی سنت کا اتباع لازم ہے''۔

حضرت عمرؓ کا عہد قانون سازی کے لحاظ سے اس لئے بھی اہمیت کا حامل ہے کہ یہ دور رسالت سے متصل و ملحق تھا اور تمام کبار صحابہ رضوان اللہ علیہم موجود تھے جو سفر وحضر میں محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھی تھے اور آپ ﷺ کے مزاج شناس تھے۔

اسلام میں قانون سازی کا طریقہ کار:

اسلام کے طے شدہ منہج قانون سازی میں تعبیر احکام کے سلسلہ میں سب سے پہلے قرآن مجید سے رجوع کیا جاتا ہے اور پھر سنت سے رہنمائی حاصل کی جاتی ہے۔ کیونکہ وہ معاملات جن میں قرآن مجید اور سنت رسول ﷺ نے کوئی واضح اور قطعی حکم دیا ہے یا کوئی خاص قاعدہ مقرر کر دیا ہے اس طرح کے معاملات میں کوئی فقیہ، کوئی قاضی یا کوئی قانون ساز ادارہ شریعت کے دئے ہوئے حکم یا اس کے مقرر کئے ہوئے قاعدے کو نہیں بدل سکتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَo (3)

''اور جو اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی فاسق ہیں''۔

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اسلام میں قانون سازی کے لئے کوئی گنجائش نہیں بلکہ بعض معاملات وہ ہیں جن کے بارے میں شریعت نے کوئی حکم نہ دیا ہو مگر ان سے ملتے جلتے معاملات کے متعلق وہ ایک ہی حکم دیتی ہے۔ اس دائرے میں قانون سازی کا عمل اس طرح ہوتا ہے کہ احکام کی علتوں کو ٹھیک ٹھیک سمجھ کر ایسے تمام معاملات میں ان کو جاری کیا جائے گا جن معاملات میں وہ علتیں فی الواقع پائی جاتی ہیں اور اُن تمام معاملات کو ان سے مستثنیٰ ٹھہرایا جائے گا جن میں درحقیقت وہ علتیں نہ پائی جاتی ہوں۔

ایک اور قسم ان معاملات کی ہے جن میں شریعت نے متعین احکامات نہیں کچھ جامع اصول دئے ہیں یا شارع کا یہ منشا ظاہر کیا ہے کہ کیا چیز پسندیدہ ہے جسے فروغ دینا مطلوب ہے۔ ایسے معاملات میں قانون سازی کا طریقہ کار یہ ہے کہ شریعت کے ان اصولوں اور شارع کے منشاء کو سمجھا جائے اور عملی مسائل میں ایسے قوانین بنائے جائیں جو ان اصولوں پر مبنی ہوں اور شارع کی منشا کو پورا کرتے ہوں۔

ان کے علاوہ ایک بہت بڑی قسم ان معاملات کی ہے جن کے بارے میں شریعت بالکل خاموش ہے نہ براہ راست ان کے متعلق کوئی ہدایت دیتی ہے اور نہ ان سے ملتے جلتے معاملات ہی کے متعلق کوئی ہدایت اس میں ملتی

ہے کہ ان کو اس پر قیاس کیا جا سکے۔ یہ خاموشی خود اس بات کی دلیل ہے کہ حاکم اعلیٰ ان معاملات میں انسان کو خود اپنی رائے سے فیصلہ کرنے کا اختیار دے رہا ہے۔ اس لئے ان میں آزادانہ قانون سازی کی جا سکتی ہے۔ مگر یہ قانون سازی ایسی ہونی چاہیے جو اسلام کی روح اور اس کے اصول عامہ سے مطابقت رکھتی ہو۔

عہد فاروقی میں ان تمام امور کو مدنظر رکھ کر قوانین بنائے گئے۔ اس کا ثبوت اس نامۂ مبارک سے ملتا ہے جو آپؓ نے قاضی شریحؒ کو لکھا جس میں آپؓ نے فرمایا:

''جب تمہارے سامنے کوئی ایسا معاملہ پیش آئے جس میں رائے دینا ضروری ہو تو سب سے پہلے کتاب اللہ میں اس کا حکم تلاش کر کے اسی کے مطابق فیصلہ کرو۔ کتاب اللہ میں اگر کوئی حکم نہ ملے تو پھر سنت نبوی ﷺ میں تلاش کرو۔ اگر سنت نبوی ﷺ بھی خاموش ہو تو پھر صلحاء اور آئمۂ عدل نے اس طرح کے معاملہ میں جو فیصلہ کیا ہو اس کو سامنے رکھو اور اگر یہ بھی نہ ہو تو پھر غور و فکر کر کے اجتہاد کرو''۔(4)

اس سے بھی زیادہ مفصل ہدایت آپؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھ کر روانہ فرمائی تھی جو اس وقت عراق کے امیر تھے۔ یہ ہدایت نامہ اتنا جامع ہے کہ اس سے فقہاء نے سینکڑوں احکام کا استنباط کیا ہے۔
جس میں آپؓ فرماتے ہیں:

الفَهْمُ، الفهمُ فيما تلجلج في صدرك مما ليس في كتاب ولا سنةٍ. ثم اعرف الأشباه والأمثال وقس الأمور عند ذلك واعمد إلى أشبهها بالحق (5)

''خوب سمجھ لو وہ بات جو تیرے سینے میں کھٹکے اور وہ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ میں نہ ہو۔ پھر اس بات کی نظیریں اور مثالیں جان لو اور پھر معاملات کو ان پر قیاس کرو اور جو حق کے زیادہ مشابہ ہو اس کا قصد کرو''۔

فی الحقیقت یہ عہد عمرؓ ہی تھا جس میں پہلی مرتبہ کثیر تعداد میں نئے نئے مسائل نے جنم لیا۔ دور رسالت ﷺ اور دور ابوبکرؓ تو عرب کے سادہ طرز حیات کے آئینہ دار تھے۔ عہد عمرؓ میں عرب کے ساتھ نئے معاشروں اور تہذیبوں کا اتصال ہوا۔ سلطنت کی وسعت میں اضافہ ہوا نئے مسائل نے جنم لیا۔ باقاعدہ دارالقضاء کا وجود عمل میں لایا گیا۔ اس کے بارے میں ڈاکٹر محمد فاروق نبہان لکھتے ہیں:

كان عمر اول من عيّن القضاة بعد تولية الخلافة. وذلك بسبب اتساع رقعة الدولة الإسلامية وتوزع المسلمين في الأمصار المختلفة وكثرة المسائل التي جدّت على المجتمع الإسلامي نتيجة الفتوحات العظيمة واصطدام المسلمين بمجتمعات جديدة في الشام والعراق و

مصر تختلف فی بیئتها وظروف حیاتها عن المجتمع العربی داخل الجزیرة العربیة. (6)

''حضرت عمرؓ پہلے فرد تھے جنہوں نے خلافت سنبھالنے کے بعد قاضیوں کو مقرر کیا۔ اور یہ اس وجہ سے کیا کہ اسلامی مملکت کا رقبہ بڑھ گیا تھا۔ اور مسلمان مختلف شہروں میں بٹ گئے تھے اور اسلامی معاشرے میں بہت سارے نئے مسائل پیدا ہوئے کیونکہ عظیم فتوحات ہوئیں اور مسلمانوں کا سامنا شام عراق اور مصر کے جدید معاشروں سے ہوا جن کا ماحول اور طرز زندگی جزیرۂ عرب کی اندرونی زندگی سے مختلف تھا''۔

حضرت عمرؓ کے عہد میں قانون سازی کے رہنما اصول:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قانون سازی کے دوران جن اصولوں کو مدنظر رکھا، انہیں سے اہم اور بنیادی اصولوں کا تعارف ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

1۔ قرآن کی اساس پر قانون سازی:

حضرت عمرؓ کے عہد میں قانون سازی کا سب سے بڑا ذریعہ قرآن مجید اور سنت رسول ﷺ تھا۔ سورۃ النحل میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَیْءٍ وَّهُدًی وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰی لِلْمُسْلِمِيْنَo (7)

''اور ہم نے آپ ﷺ کی طرف کتاب نازل کی جو ہر چیز کو کھول کھول کر بیان کرتی ہے اور مسلمانوں کے واسطے ہدایت، رحمت اور خوشخبری ہے''۔

اسی طرح سورۃ احزاب میں ارشاد ربانی ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَی اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ط وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًاo (8)

''کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول ﷺ کسی معاملے میں فیصلہ کر دیں تو پھر اسے اپنے اس معاملہ میں خود فیصلہ کا اختیار حاصل ہو اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا''۔

مذکورہ بالا آیت میں قرآن اور سنت رسول ﷺ سے ہٹنے والوں کے متعلق سخت وعید ہے۔

قرآن مجید سے رہنمائی لینے کی سب سے بہترین مثال حضرت عمرؓ کا وہ اجتہادی فیصلہ تھا جو سوادِ عراق

اور مصر کی زمینوں کی تقسیم کے بارے میں تھا۔ جس سے آپؓ کی قرآن حکیم پر گہری نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپؓ کی دور رس نگاہوں سے یہ بات مخفی نہ تھی کہ اگر ان زمینوں کو مجاہدین میں بانٹ دیا گیا تو اس کے نقصانات زیادہ ہیں اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ان زرخیز زمینوں کی آبادکاری میں لگ جائیں گے اور ملت اسلامیہ کے اعلیٰ اور ارفع مقاصد کو شدید دھچکا لگے گا اور مستقبل میں آنے والے انسانوں کے لئے وسائل معاش کا مسئلہ درپیش ہوگا۔ چنانچہ آپؓ نے مجاہدین کے پُرزور مطالبے کے باوجود یہ زمین ان میں تقسیم نہ کی۔ قرآن وسنت کی ظاہری نصوص تو اس بات پر دلالت کرتی تھیں کہ خمس نکالنے کے بعد باقی مجاہدین میں تقسیم کر دیا جائے۔ لیکن حضرت عمرؓ کی رائے میں یہ زمینیں فَے کی مد میں آتی تھیں اور ان میں موجودہ اور آئندہ آنے والے تمام مسلمانوں کے حقوق ہیں۔ اور یہ مسئلہ آپؓ نے سورۃ الحشر کی آیات نمبر 6 تا 10 پر گہرے غور وخوض کے بعد اخذ کیا۔ جن میں اموال فَے کی تقسیم کا ذکر ہے اور آیت نمبر 10 میں اُن لوگوں کا بھی ذکر ہے جو بعد میں آنے والے ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَالَّذِيۡنَ جَآءُوۡ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ (9)

''اور ان لوگوں کے لئے بھی (مال فے ہے) جو ان کے بعد آئیں گے''۔

چنانچہ یہ ایک شاندار اور دور رس نتائج کا حامل اجتہادی مسئلہ تھا جو آپؓ نے قرآن سے استنباط کیا۔

2۔ سنت رسول ﷺ کی اساس پر قانون سازی:

حضرت عمرؓ کے نزدیک قانون سازی کی بنیاد قرآن کے بعد حدیث رسول ﷺ مقبول تھی۔ اگر اُن کی اجتہادی رائے کے مقابلے میں حدیث رسول ﷺ آجاتی تو وہ اپنی رائے سے رجوع کر لیتے۔ کیونکہ احادیث نبویہ صحابہ کرامؓ کے سینوں میں متفرق طور پر محفوظ تھیں۔

سعید بن مسیّبؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے انگوٹھے کی دیت پندرہ اونٹ مقرر کی اور اس کے ساتھ شہادت کی انگلی کی دس اونٹ اس کے ساتھ والی انگلی کی نو اونٹ اور چھوٹی انگلی کی چھ اونٹ مقرر کی۔ لیکن جب انہیں عمرو بن حزم کے خاندان سے ایک تحریر ملی جس میں حضور اکرم ﷺ کی ایک حدیث تھی کہ ہر انگلی کی دیت دس اونٹ ہے تو یہ بات ان کے علم میں آئی۔ اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے پہلے اجتہاد و قیاس سے کام لیا۔ ان کو شہادت کی انگلی کی دیت کا علم تھا کہ دس اونٹ ہے۔ لہٰذا انہوں نے قیاس کیا کہ انگوٹھا چونکہ زیادہ کارآمد ہے لہٰذا اس کی دیت پندرہ اونٹ ہونے چاہئیں۔ علیٰ ہذا القیاس باقی انگلیوں کی دیت مقرر کی لیکن صحیح حدیث آنے کے بعد فوراً رجوع کر لیا۔

اسی طرح جب دور فاروقیؓ میں شام کے علاقے میں وباء پھیلی اور مسلمانوں کا لشکر وہیں تھا تو حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ میں اختلاف رائے ہوا کہ قیام کیا جائے یا خروج۔ بالآخر حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے حدیث رسول ﷺ سنا کر مسئلہ حل کیا۔ انہوں نے کہا کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ جب تم سنو کہ فلاں علاقہ میں وباء ہے تو وہاں نہ جاؤ اور اگر تمہارا قیام ایسے علاقے میں ہے جہاں وباء پھیل گئی ہو تو وہاں سے مت بھاگو۔ حضرت عمرؓ نے حدیث ملنے پر اللہ کا شکر ادا کیا۔

اسی طرح حضرت عمرؓ کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ بیوی شوہر کی دیت وراثت میں لے سکتی ہے۔ ان کا خیال تو یہ تھا کہ دیت عاقلہ کا حق ہے لیکن جب ان کو علم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ نے اشیم ضبابی کی بیوی کو وراثت میں شوہر کی دیت سے حصہ دیا تھا تو حضرت عمرؓ نے اپنی رائے چھوڑ دی اور فرمایا کہ اگر ہمیں یہ بات معلوم نہ ہوتی تو ہم اس کے برعکس فیصلہ دے دیتے۔ اسی طرح حضرت عمرؓ کو دیت کے سلسلہ میں مجوسیوں کا حکم بھی معلوم نہیں تھا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے بتایا کہ حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ ان کے ساتھ اہل کتاب والا طریقہ اختیار کرو۔ (10)

اسی طرح ایک مرتبہ جب جنین کے ضائع ہونے کا مسئلہ پیش ہوا تو ایک صحابی مالکؓ بن نابغہ نے اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ کی حدیث رسول کی رُو سے رہنمائی کی جس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا:

اِنْ کِدنا نقضی فیه برأینا (11)

''اگر ہم یہ فیصلہ نہ سنتے تو قریب تھا کہ اپنی رائے سے فیصلہ کر ڈالتے''۔

3۔ مشاورت کی بنیاد پر قانون سازی:

فرمان باری تعالیٰ ہے: وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (12)

حضرت عمرؓ کے مبارک عہد میں قانون سازی کے لئے سب سے اہم طریقہ مشاورت کا تھا۔ اور دور فاروقی میں یہ ایک اہم ستون کی حیثیت رکھتا تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں تشریح (قانون سازی) پر بڑی پیش رفت ہوئی۔ فقہی معاملات پر کھلے جلسوں میں بحث و مباحثے کی ابتدا ہوئی اور پہلی مرتبہ اجتہاد و اجماع کی بنیاد پر بڑے بڑے فیصلے کئے گئے جنہوں نے آئندہ دور میں ہونے والی قانون سازی کو بہت متاثر کیا۔ حضرت عمرؓ نے اجماع کو منظم شکل دی اور صاحب صلاحیت لوگوں پر مشتمل ایک مجلس قائم کی اور حتی الامکان صاحب الرائے لوگوں کو مدینہ منورہ سے باہر جانے سے روک دیا۔ ان مجالس میں نئے نئے مسائل زیر بحث لائے جاتے اور قرآن و سنت کے مطابق فیصلے کئے جاتے۔ (13)

حضرت عمرؓ کے دور میں اجماع صحابہؓ پوری آب وتاب سے روشن ہوا جس کی داغ بیل دور صدیقیؓ میں پڑ گئی تھی۔ جس مسئلہ پر کبار صحابہؓ یا جمہور فقہاء اکٹھے ہوجاتے اوران کی رائے مجتمع ہوجاتی فیصلہ نافذ کر دیا جاتا۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ اپنے مقرر کردہ قاضی شریحؒ کو لکھتے ہیں:

إذا وجدت شیئاً فی کتاب اللہ فاقض بہ ولا تلتفت إلی غیرہ وإن أتاک شیئاً لیس فی کتاب اللہ ولم یسن فیہ رسول اللہ ﷺ فاقضِ بما اجمع علیہ الناس (14)

''جب تو کتابُ اللہ میں سے مطلوب چیز پائے تو اس کے مطابق فیصلہ کر دے تو دوسری چیزوں کی طرف متوجہ نہ ہو اور جب تمہارے پاس ایسی بات آئے جو نہ کتاب اللہ میں ہو اور نہ سنت رسول ﷺ میں ہو تو جس پر لوگ جمع ہوجائیں اس کے مطابق فیصلہ کرو''۔

شیخ مناع القطان اس بارے لکھتے ہیں:

فإذا وردَتْ اقضیة لا یرون فیها نصّ من کتاب اللہ و سنة رسول اللہ ﷺ بحثوا إلی استشار اهل الرأی من فقها ألصحابة فإذا اجتمع رأیهم علی شیءٍ کان القضاء به. (15)

''پھر جب ایسے مسائل سامنے آتے جس میں (صحابہ کرامؓ) کتابُ اللہ اور سنت رسول ﷺ میں کوئی نص نہ پاتے تو فقہاء صحابہ کرامؓ جو اہل الرائے ہوتے اس پر بحث کرتے اور جس پر اُن کی آراء کا اتفاق ہوجاتا اسی کے مطابق فیصلہ کر لیتے''۔

چنانچہ جب حضرت عمرؓ کے عہد میں شراب نوشی کے واقعات نسبتاً زیادہ ہوئے تو انہوں نے مے نوشی کی حد کے لئے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا تو حضرت علیؓ کا طرز استدلال یہ تھا کہ مے نوشی ایک ایسا عمل ہے جس سے انسان کا شعور واحساس جاتا رہتا ہے اوراس کی عقل ختم ہوجاتی ہے۔ عقل وشعور سے خالی نشہ کی کیفیت میں انسان ہذیان بکنا شروع کر دیتا ہے۔ عین ممکن ہے کہ ہذیان بکنے کی صورت میں وہ ایسے الفاظ بھی کہہ دے جو قذف (پاکدامن پر) کے الفاظ ہوں اور قرآن کریم میں قذف کی سزا 80 کوڑے ہے۔ لہٰذا جرم مے نوشی کی سزا بھی یہی مقرر کر دی جائے۔(16)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ نے شراب نوشی کی سزا کے لئے حد قذف پر قیاس کیا جس سے دیگر صحابہؓ نے اتفاق کیا۔ درج بالا واقعہ اجماع اور قیاس کی عمدہ مثال ہے۔ تاہم فقہاء کے مابین یہ بحث ہے کہ شراب نوشی کی یہ سزا حد ہے یا تعزیر؟

جیسا کہ عبدالقادر عودۃ لکھتے ہیں:

ویری الشافعی أن حد الخمر أربعین جلدةً فقط علی خلاف بقیة الأئمة وحجة أنه لم یثبت عن الرسول أنه ضرب فی الخمر اکثر من أربعین. أما الأربعون الأخری فلیست من الحد عندالشافعی وإنما هی تعزیر. (17)

''امام شافعیؒ کی رائے میں شراب کی حد صرف چالیس کوڑے ہے اور یہ رائے باقی ائمہ کے خلاف ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ شراب کی حد میں رسول کریم ﷺ سے چالیس سے زیادہ کوڑے ثابت نہیں۔ اور جو اضافی چالیس ہیں وہ امام شافعیؒ کے نزدیک حد نہیں بلکہ تعزیر ہے''۔

4۔ اُصول قیاس:

دور فاروقی میں قانون سازی کا ایک ستون قیاس بھی تھا۔ یعنی باہم ملتے جلتے امور کی مشترکہ علت کو دیکھنا اور اس پر ایک جیسا حکم لگانا۔ حضرت عمرؓ قیاس کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔ جیسا کہ آپؓ کے اُن خطوط سے ظاہر ہوتا ہے جو آپؓ نے ابوموسیٰ الاشعریؓ اور قاضی شریحؒ کو لکھے جس میں واضح طور پر اپنی رائے سے اجتہاد کا ذکر ملتا ہے۔ ابوموسیٰ الاشعریؓ کو آپؓ لکھتے ہیں:

الفهم، الفهم، فیما تلجلج فی صدرک مما لیس فی کتاب ولا سنةٍ ثم اعرف الأشباه والأمثال وقس الأمور عند ذلک واعمد إلی أشبهها بالحق (18)

''خوب سمجھ لو وہ بات جو تیرے سینے میں کھٹکے اور وہ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ میں نہ ہو۔ پھر اس کی نظیریں اور مثالیں جان لو اور پھر معاملات کو ان پر قیاس کرو۔ اور جو حق کے زیادہ مشابہ ہو اس کا قصد کرو''۔

قیاس کی عمدہ مثال حضرت عمرؓ کے دور میں شراب کی حد مقرر کرنا ہے۔ دور رسالتؐ میں اس کی اصل حد 40 دُرّے تھی اور بعد میں جب شراب نوشی میں اضافہ ہوا تو 40 دُرّے مزید شامل کئے گئے۔

5۔ اصول یُسر:

حضرت عمرؓ کے دور میں قانون سازی کا ایک اہم اصول یہ تھا کہ لوگوں کو اسی بات کا مکلّف بنایا جائے جو وہ برداشت کر سکیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَایُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ط (19)

''اللہ تعالیٰ کسی جان پر اُس کی برداشت سے زیادہ تکلیف نہیں ڈالتا''۔

چنانچہ حضرت عمرؓ نے ذمیوں (غیر مسلم شہریوں) پر اتنا ہی ٹیکس مقرر کیا جو وہ آسانی سے دے سکتے تھے جو برائے نام تھا اور جو ذمی بڑھاپے کو پہنچ جاتا اور کمانے کے قابل نہ رہتا بیت المال سے اس کا وظیفہ مقرر کر دیا جاتا تا کہ وہ زندگی بسہولت بسر کر سکے۔ حضرت عمرؓ ذمیوں کے درج ذیل حقوق کا خیال رکھتے تھے۔

''جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کہ کوئی مسلمان یا غیر مسلم، دوست یا دشمن ان پر زیادتی نہ کرے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے بعد آنے والے خلیفہ کو نصیحت کی کہ ذمیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ ان سے کیا ہوا عہد پورا کرنا اور ان سے عہد شکنی کرنے والوں سے جنگ کرنا اور ان پر ان کی استطاعت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالنا''۔(20)

اسی طرح حضرت عمرؓ نے **مفقود الخبر** شوہر کی بیوی کے نکاح کو شوہر کی گمشدگی کے چار سال بعد ختم قرار دیا اور اس کے فی الواقع مرجانے کی تحقیق یا اس کے ہم عمروں کے انتقال کر جانے کی شرط کو ختم کر دیا''۔(21)

حضرت عمرؓ کا ایک اور مشہور اجتہادی فیصلہ جس میں سرقہ (چوری) کی حد ساقط کر دی گئی تھی اصول یُسر کی ایک مثال ہے۔ قحط کے سال جب لوگ بھوک سے مجبور ہو کر سرقہ میں مبتلا ہوئے تو آپؓ نے حد معطل کر دی اور اسے ایک اضطراری فعل شمار کیا۔ یہ آپ کا بڑا حکیمانہ اجتہاد ہے جس کے بارے میں ڈاکٹر غالب بن عبدالکافی رقم طراز ہیں:

وفی حد السرقة نجدان الفاروق له اجتهادات أيضا فی تنفيذه كما فعل عام المجاعة حيث أوقف قطع أيدى السُّراق لشبهة الجوع العام كما فعل بغلمان حاطب بن أبی البلتعة حيثما سرقوا جزور المزنی و أكلوها فدرأ عنهم الفاروق حد او أضعف الغرامة على سيدهم. (22)

''ہم دیکھتے ہیں کہ حد سرقہ میں بھی فاروق اعظم کے اجتہادات موجود ہیں۔ جب انہوں نے قحط والے سال قحط اور بھوک کے پھیل جانے کے شبہ کی وجہ سے چوروں کے ہاتھ کاٹنے کو روک دیا جیسا کہ انہوں نے حاطبؓ بن ابی بلتعہ کے غلاموں کے ساتھ کیا جب انہوں نے ایک مزنی شخص کی اونٹنی چرائی اور کھالی تو حضرت عمر فاروقؓ نے ان سے حد کا نفاذ ہٹا دیا اور ان کے آقا پر دوگنا تاوان لگایا''۔

حد چونکہ اللہ کا حق ہے اس لئے اصول یہ ہے کہ امام حد جاری کرے۔ لیکن امام اجرائے حد کے لئے مختلف علاقوں میں امراء اور قضاۃ مقرر کر سکتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے امراء امصار کو اقامت حدود کا اختیار سپرد کر دیا تھا اور اس سلسلے میں انہیں حضرت عمرؓ سے رجوع کی ضرورت نہیں تھی۔ سوائے اس صورت کے کہ حد ایسی ہو جس کا نتیجہ موت ہو۔ ایسی صورت میں انہیں حضرت عمرؓ سے رجوع کئے بغیر حد نافذ کرنے کا اختیار نہیں تھا۔ حضرت عمرؓ نے یہ فیصلہ ایک واقعہ کے بعد کیا تھا۔ وہ واقعہ یہ تھا کہ ایک عورت کے چاروں طرف لوگ اکٹھے ہو گئے اور سب اس پر زنا کا

الزام لگا رہے تھے۔ وہ عورت حضرت عمرؓ کے پاس منیٰ میں پہنچی تو رو رہی تھی۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ تو کیوں روتی ہے؟ اس نے کہا میں ایک گہری نیند سونے والی عورت ہوں۔ اللہ نے مجھے رات کی نماز کی بھی توفیق عطا کی ہے۔ ایک شب میں نماز پڑھ کر سوگئی اور بخدا میں اسی وقت بیدار ہوئی جب ایک شخص مجھ پر سوار ہوگیا اور میں نے اسے صرف پلٹتے ہوئے دیکھا اور میں نہیں جانتی کہ وہ کون ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اگر میں تم پر زنا کی تہمت لگاؤں تو مجھے ڈر ہے کہ میں دو پہاڑوں میں کچلا جاؤں۔ بعد ازاں حضرت عمرؓ نے امرائے امصار کی طرف ایک فرمان لکھا کہ ان کی اجازت کے بغیر کسی کو قتل نہ کیا جائے۔(23)

مندرجہ بالا واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمرؓ شبہ کی وجہ سے حد ساقط کر دیتے تھے۔ کیونکہ دین اسلام کی منشا یہی ہے کہ حدود کو شبہات کی وجہ سے ساقط کر دیا جائے۔

6۔ اُصول تدریج:

حضرت عمرؓ کے مبارک عہد میں تدریج بھی اسلام کے تشریعی نظام کا ایک اصول تھا۔ قانون کے نفاذ سے پہلے یہ دیکھا جاتا تھا کہ حالات اس کے لئے سازگار ہیں یا نہیں۔ اور نفاذ قانون بتدریج اور سہولت سے آگے بڑھنا چاہئے اور لوگوں کو پہلے جرائم کے نتائج اور سزاؤں سے آگاہی ہو جیسا کہ ڈاکٹر رواس قلعہ جی کچھ واقعات کا ذکر کرتے ہیں۔

اس شخص پر حد نہیں ہے جس نے کسی جرم کا ارتکاب اس صورت میں کیا کہ اسے اس کے حرام ہونے کا علم نہیں تھا۔ حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح نے حضرت عمرؓ کو لکھ کر پوچھا کہ ایک شخص نے زنا کا اعتراف کیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے جواباً تحریر کیا کہ اس سے معلوم کیا جائے کہ کیا اسے زنا کی حرمت کا علم ہے؟ اگر وہ اقرار کرے تو حد جاری کرو ورنہ اسے بتاؤ کہ یہ فعل حرام ہے اور اگر اس کے بعد وہ پھر ارتکاب کرے تو اس پر حد جاری کرو۔

ایک اور واقعہ میں یحیٰیؒ بن حاطب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ان کی ایک آزاد کردہ باندی نے جس کا نام مرکوش تھا زنا کیا اور وہ سب سے کہتی پھر رہی تھی کہ میں نے زنا کیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس کے بارے میں حضرت علیؓ اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف سے دریافت کیا تو ان دونوں نے کہا کہ حد لگائی جائے یعنی رجم کیا جائے۔ پھر حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ سے پوچھا تو حضرت عثمانؓ نے کہا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ سب کے سامنے کہتی پھر رہی تھی کہ میں نے زنا کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اسے معلوم نہیں کہ یہ جرم ہے اور اس پر حد عائد ہوتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے اُن کی رائے سے اتفاق کیا اور اسے کوڑوں کی سزا دی اور رجم نہیں کیا۔

ایک اور واقعہ میں بکرؒ بن عبداللہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عمرؓ سے ایک شخص کے بارے میں

دریافت کیا جس سے پوچھا گیا تھا کہ تجھے عورتوں سے کب واسطہ پڑا؟ تو اس نے کہا کہ گذشتہ شب۔ پوچھا گیا کہ کون تھی؟ اس نے کہا کہ ام مثوای۔ اسے بتایا گیا کہ تو تو تباہ ہوگیا اس نے کہا کہ مجھے تو پتہ نہیں کہ اللہ نے زنا حرام کیا ہے تو حضرت عمرؓ نے اس کے بارے میں جواباً تحریر کیا کہ اس سے حلف لیا جائے کہ اسے یہ معلوم نہیں کہ اللہ نے زنا کو حرام قرار دیا ہے۔ اگر وہ قسم کھالے تو اُس کو چھوڑ دیا جائے۔(24)

مندرجہ بالا واقعات سے اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ حکم کا نفاذ کچھ شرائط کو چاہتا ہے۔ جب تک تمام حالات صحیح نہج پر نہ ہوں یا جب تک تمام اسباب مہیا نہ ہو جائیں حکم کے نفاذ سے گریز کیا جائے اور اسلامی معاشرے میں تدریج کے اصول کو مدنظر رکھا جائے۔

7۔ اُصول مماثلت:

حضرت عمرؓ کے دور میں قانون سازی کے میدان میں مماثلت کا اصول بھی کارفرما رہا ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے دورِ فاروقیؓ کے اس ماخذ قانون کی طرف اشارہ کیا ہے اور اسے اصول مماثلت (Reciprocity) کا نام دیا ہے جس میں معاہدے کے بغیر دوسروں کے احکام ہمارے قانون میں داخل ہو جائیں اس کی مثال وہ حضرت عمرؓ کے دور سے دیتے ہیں کہ ایک دن خلیفہ وقت حضرت عمرؓ کے پاس سرحد کے علاقے کا ایک گورنر خط بھیجتا ہے کہ ہماری سرحد کے پار جو بازنطینی (رومی) وغیرہ ہیں ان کے یہاں کے تاجر ہمارے ملک میں آنا چاہتے ہیں۔ اور ہمارے ملک میں تجارت کرنا چاہتے ہیں۔ احکام دیجئے کہ ہم ان سے کس اساس پر چونگی وصول کریں؟ اس گورنر کو کوئی علم نہیں تھا کہ اسلامی قانون چنگیوں کے متعلق کیا ہے؟ اس نے قرآن مجید دیکھا قرآن مجید میں اس کا کوئی ذکر نہیں ملا۔ اور اس بارے میں اس کی کوئی بھی معلومات نہیں تھیں۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ جس علاقے کے لوگ آئیں اگر اس علاقے میں مسلمان تاجر جاتے ہیں تو جس نرخ پر اُن سے چونگی لے جاتی ہے اس نرخ پر تم لے لو یہ مماثلت کا قانون ہے۔ اس سے پہلے اُس حکومت سے اس قسم کا کوئی معاہدہ نہیں تھا۔ اس کے باوجود حضرت عمرؓ یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ اس علاقے میں اسی شرح سے چونگی لی جائے گی۔ موجودہ دور میں اس کی مثال بین الاقوامی تجارتی قواعد وضوابط، سٹاک ایکسچینج، زرمبادلہ کے اصول، کرنسی کی قیمت اور اس جیسے دوسرے قوانین ہو سکتے ہیں۔ جو تقریباً تمام ممالک میں ایک جیسے ہیں۔(25)

حضرت عمرؓ بعض اوقات غیر مسلم اقوام کی اچھی باتیں بھی اپنا لیتے تھے اور اس میں کوئی قباحت محسوس نہ کرتے جیسا کہ دفاتر کا نظام اور سن عیسوی کی طرز پر سن ہجری کا آغاز۔ اس کے متعلق محمد حسن الحجوی کہتے ہیں:

ومثل هذين آخذهما عن الروم والفرس، لما كان له من الفكر الواسع. فلم يكن يأنف من أخذ ما فيه مصلحة عن غيره من الأمم ولو كانت كافرة. (26)

''یہ دونوں چیزیں (۱۔ دفتری نظام کا اجراء ۲۔ سن عیسوی کی طرز پر سن ہجری کا آغاز) حضرت عمرؓ نے روم اور فارس سے لی تھیں۔ کیونکہ وہ وسعت فکر رکھتے تھے اور جس چیز میں مصلحت دیکھتے تھے اسے غیر قوموں سے حاصل کرنے کو ناپسند نہیں کرتے تھے۔ خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہوں''۔

8۔ اُصول انسدادِ جرائم:

حضرت عمرؓ کی قانون سازی میں انسداد جرائم کا اصول نمایاں نظر آتا ہے۔ حتیٰ کہ دوہرے جرم کی صورت میں انہوں نے حد اور تعزیر کو بھی یکجا کر دیا کہ اگر مجرم قابل حد جرم کے ساتھ کسی اور جرم کا بھی ارتکاب کرتا تو حد کے ساتھ اسے تعزیری سزا بھی دی جاتی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے پاس ایک شخص لایا گیا جس نے رمضان میں مے نوشی کی تھی تو آپؓ نے اسے حد خمر کے 80 کوڑے مارے اور رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی تعزیر میں 20 کوڑوں کی سزا دی۔

ایک دوسرے واقعہ میں ایک بوڑھا شخص آپؓ کے پاس لایا گیا جس نے رمضان میں شراب پی تھی۔ آپؓ نے فرمایا کہ اللہ اسے ذلیل کرے یہ بوڑھا ہونے کے باوجود رمضان میں شراب پی رہا ہے جب کہ ہمارے نوجوان روزے رکھ رہے ہیں۔ آپؓ نے اسے 80 کوڑے مارے اور شام کی طرف جلاوطن کر دیا۔

اسی طرح ایک چور آپؓ کے پاس لایا گیا تو آپؓ نے اس سے پوچھا کہ تم نے چوری کیوں کی۔ وہ بولا امیر المؤمنین اللہ کا فیصلہ یہی تھا۔ تقدیر سے بچنا ممکن نہیں۔

حضرت عمرؓ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ جب اس کا زخم داغا جا چکا تو آپ نے اسے 80 کوڑے مارے اور فرمایا کہ میں نے چوری کے جرم میں تیرا ہاتھ کاٹا ہے اور تیرے جھوٹ بولنے پر جو تم نے اللہ کے بارے میں بولا ہے تجھے کوڑے مارے ہیں۔ یعنی تیرے قضاء قدر کے سلسلہ میں استدلال پر۔ تقدیر کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ نے انسانوں سے برے کاموں سے بچنے کا اختیار ہی سلب کر لیا۔ (27)

9۔ عدلیہ کی انتظامیہ سے علیحدگی:

حضرت عمر فاروقؓ کا ایک اہم اجتہادی اور قانونی کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ کر کے ایک خود مختار حیثیت دے دی اور قضاء کا محکمہ قائم کیا۔ دور رسالت میں محمد رسول اللہ ﷺ کو ایک امتیازی حیثیت حاصل تھی۔ آپ ﷺ شارع بھی تھے قاضی بھی تھے اور امام اور سربراہ بھی تھے۔ دور صدیقیؓ میں کم وبیش

یہی حالت برقرار رہی۔ اس کے مقابلے میں دور فاروقیؓ مدت کے لحاظ سے طویل تھا اور سلطنت اسلامی کی حدیں ممالک افریقہ سے لے کر روس کے علاقوں تک پھیل چکی تھیں۔ لہٰذا وقت اور حالات کا تقاضا یہی تھا کہ محکمہ قضاء قائم کیا جائے۔ ڈاکٹر غالب بن عبدالکافی رقمطراز ہیں:

وفی عهد الفاروق اقتضى الأمر فصل القضاء عن عمل الوالی فی بعض الولایات الکبیرة مثل البصرة والکوفة ومصر (28)

''حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں حکومتی معاملات اس بات کے متقاضی ہوئے کہ بعض بڑے علاقوں میں قضاء کے محکمہ کو حاکم یا گورنر کے عمل (یعنی انتظامیہ) سے جدا کیا جائے۔ مثال کے طور پر بصرہ کوفہ اور مصر کے علاقہ جات''۔

چنانچہ آپؓ نے قاضی مقرر کئے ان میں حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ کوفہ میں، جناب قاضی شریحؒ اور کعب بن سوَر کو بصرہ میں، عیش بن ابی العاصؓ مصر میں، عبداللہؓ بن مسعود کوفہ میں۔ اسی طرح آپؓ نے زیدؓ بن ثابت اور یزیدؓ بن اخت الخمر کو مستقل طور پر مدینہ میں مقرر کیا۔

درحقیقت عدلیہ کی انتظامیہ سے علیحدگی فاروق اعظمؓ کا ایک انقلابی قدم تھا۔ اس سے والیان کی عدل و انصاف پر اثر اندازی کا سدباب ہوا۔ قاضیوں کو آزادانہ ماحول میں بے خوف وخطر فیصلے کرنے کا موقع ملا۔ چنانچہ اسلامی عدلیہ پنپنے لگی اور آگے چل کر منصف اور عادل قاضیوں نے حکمرانوں کے جور وستم پر گرفت کی۔ اسلامی معاشرے میں عدل وانصاف کا شعور پختہ ہوا۔ حضرت عمرؓ کا یہ اجتہادی فیصلہ ملت اسلامیہ کے لئے دوررس نتائج کا باعث بنا۔ (29)

ڈاکٹر غالب بن عبدالکافی کے مطابق اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ نے لوگوں کو منصب قضاء پر الگ متعین کیا۔ ان کی تنخواہیں مقرر کیں اور ان کو طلب کر کے اہم عدالتی فیصلوں کے بارے میں ان کی رائے طلب کی۔ گو ابھی یہ ان معنوں میں خودمختار اور مستقل ادارہ نہیں تھا جیسا کہ آج کے دور میں ہم دیکھتے ہیں۔ عدلیہ سے انتظامیہ کی مکمل علیحدگی حضرت امیر معاویہؓ کے دور میں ہوئی۔ لیکن ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کی داغ بیل حضرت عمرؓ کے دور میں ہی پڑ گئی تھی۔ ڈاکٹر غالب بن عبدالکافی کے الفاظ میں:

وبهذا یبدو جلیاً أن فصل القضاء عن الولایة لم یکن فصلاً تامّاً أی أنه لم تکن فی عهد الفاروق سلطة قضائیة مستقلّة فی کل شؤنها بالمعنى المفهوم الیوم وانّما فصل القضاء فصلا تامّا عن الولایة فی عهد معاویة وما حصل فی عهد الفاروق کان فصلا جزئیا وما کان

الحال یقتضی اکثر من ذلک. (30)

''اس کے ساتھ یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ (دور فاروقیؓ) میں محکمۂ قضاء کی ولایت وحکومت سے مکمل علیحدگی نہ تھی۔ یعنی عہد فاروقی میں تمام پہلوؤں سے عدلیہ ایک مکمل خودمختار ادارہ نہیں تھا۔ جیسا کہ موجودہ دور میں ہم دیکھتے ہیں۔ درحقیقت محکمہ قضاء کی ولایت وہ حکومت سے مکمل علیحدگی حضرت امیر معاویہؓ کے دور میں ہوئی اور حضرت عمرؓ کے دور میں صرف جزوی علیحدگی ہوئی اور اس وقت حالات بھی اس سے زیادہ کے متقاضی نہ تھے''۔

10۔ اُصول گردشِ زر:

حضرت عمرؓ کا ایک اور اہم فیصلہ جو ایک طرف تو آپ کے حسن سیاست اور بہتر انتظام کو ظاہر کرتا ہے دوسری جانب آپ کی شریعت اسلامی میں گہری بصیرت کو ظاہر کرتا ہے۔ آپ نے لوگوں سے ضرورت سے زیادہ زمینیں لے کر بیت المال اور لوگوں کی فلاح کے لئے وقف کر دیں۔ فتوحات کی کثرت سے وسیع وعریض علاقے سلطنت اسلامیہ کا حصہ بنے۔ بڑی بڑی زمینیں لوگوں کے حصے میں آئیں جو ان کی ضرورت سے بھی زیادہ تھیں اور ان کا انتظام کرنا بھی ان کے لئے دشوار تھا۔ لہٰذا حضرت عمرؓ نے ان سے یہ زمینیں لے کر مصالح عامہ کے لئے وقف کر دیں جیسا کہ بلال بن الحارث المزنی کا قصہ ہے۔ جسے رسول کریم ﷺ نے وادی العقیق کی وسیع وعریض زمین عطا کی تھی۔ بعد میں حضرت عمرؓ نے اس زمین کا بڑا حصہ بیت المال اور عامۃ الناس کے لئے وقف کر دیا۔ کیونکہ بلال ابن الحارث اس زمین کو مناسب طریقے سے آباد نہ کر سکے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اُن سے فرمایا:

فانظُر ما قُویت علیہ منہا فأمسکہ ومالم تطق فادفعہ إلینا نقسّمہ بین المسلمین. فقال لا أفعل واللہ شیئاً اقطعنیہ رسول اللہ ﷺ فقال عمر: واللہ لتفعلن فأخذ منہ ما عجز عن عمارتہ فقسمہ بین المسلمین (31)

''(اے بلال) دیکھ لے جتنی زمین کی دیکھ بھال کی تو طاقت رکھتا ہے اتنی تو رکھ لے۔ اور جس کی تو طاقت نہیں رکھتا اس کو ہمیں واپس کر دے تا کہ ہم اسے مسلمانوں میں تقسیم کر دیں۔ اس نے جواب دیا۔ اللہ کی قسم میں ہرگز ایسا نہیں کروں گا، وہ تو مجھے رسول اللہ ﷺ نے دی۔ تو حضرت عمرؓ نے کہا اللہ کی قسم تجھے ایسا کرنا ہی ہو گا۔ لہٰذا آپؓ نے اس سے وہ زمین لے لی جس کو وہ آباد کرنے سے قاصر تھے اور اسے مسلمانوں کے درمیان تقسیم کر دیا''۔

موجودہ دور میں مختلف ممالک میں زرعی اراضی کی اصلاح اور تقسیم اسی بات کی نشاندہی کرتی ہے۔ اگر غور کیا جائے تو دور فاروقیؓ کے بعض فلاحی قوانین کی جھلک ہمیں اُن ترقی یافتہ ممالک میں نظر آتی ہے جہاں فلاحی

ریاست کا تصور موجود ہے اور حکومتیں لوگوں کی صلاح وفلاح کے لئے ہر دم کوشاں ہوتی ہیں۔

حضرت عمرؓ یہی چاہتے تھے کہ اسلامی معاشرے میں جاگیرداری (Feudalism) نہ پنپ سکے کیونکہ آپؓ کی دوررس نگاہیں اس کے اثرات قبیحہ کو دیکھ رہی تھیں۔ عراق اور مصر کی زرعی زمینوں کے تقسیم کرنے میں یہ پہلو بھی آپؓ کے مدنظر تھا اور آپؓ ایسی اصلاحات کرتے تھے جس سے دولت کی مساویانہ تقسیم ممکن ہو سکے۔

11۔ اُصول اجتماعیت:

رمضان المبارک میں نماز تراویح پر لوگوں کو باقاعدہ جمع کرنا بھی حضرت عمرؓ سے نسبت رکھتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے بھی صحابہ کرامؓ کے ساتھ رمضان میں قیام کیا۔ لیکن فرضیت کے خوف سے اسے ترک کر دیا۔ اس طرح لوگ دورِ رسالتؐ اور عہد ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے ابتدائی دور میں اکیلے نماز تراویح ادا کرتے رہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں عبدالرحمٰن بن عبدالقاری کی روایت ہے وہ کہتے ہیں:

خرجت مع عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ لیلة فی رمضان إلی المسجد فإذا الناس أوزاع متفرقون یصلی الرّجل لنفسه ویصلی الرجل فیصلی بصلاته الرهط فقال عمرؓ انی أری لو جمعت هؤلاء علی قاریٍ واحدٍ لکان أمثل. ثم عزم مجمعهم علی أبی بن کعب ثم خرجت معه لیلة أخری والنّاس یصلّون بصلاة قارئهم قال عمرؓ: نعم البدعة هذه والّتی ینامون عنها أفضل من الّتی یقومون یرید آخر اللیل وکان الناس یقومون اوله. (32)

’’حضرت عبدالرحمٰن عبدالقاری کہتے ہیں کہ میں ایک رات حضرت عمرؓ کے ساتھ مسجد کی طرف نکلا تو لوگ جدا جدا تھے اور ہر کوئی اپنی نماز پڑھ رہا تھا۔ ان میں سے کچھ لوگ جماعت کی شکل میں تھے اور کچھ اکیلے۔ اس پر حضرت عمرؓ فرمانے لگے کہ اگر میں ان کو ایک قاری پر جمع کر دوں یہ زیادہ بہتر ہوگا۔ پھر اس کا پختہ عزم کر لیا اور لوگوں کو اُبی بن کعب پر جمع کر دیا۔ پھر میں ایک رات حضرت عمرؓ کے ساتھ نکلا اور لوگ (مجتمع ہو کر) اپنے قاری کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے۔ تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ یہ ایک اچھی بدعت ہے۔ اور جو لوگ سو رہے ہیں وہ ان قیام کرنے والوں سے بہتر ہیں۔ وہ رات کے آخری حصے میں قیام کو افضل سمجھتے تھے اور لوگ رات کے پہلے حصے میں قیام کرتے تھے‘‘۔

یہ حضرت عمرؓ کا ایک شاندار اجتہادی فیصلہ تھا کہ انہوں نے امت محمدیہ کو قیام اللیل میں یکجا کرنے کی صورت پیدا کر دی۔ کیونکہ اس سے پہلے لوگ فرداً فرداً نماز تراویح پڑھتے تھے۔ جیسا کہ شیخ قطان نے اس کی تصریح کی ہے۔

وقد صلّاها الناس فرادی فی زمن الرسول ﷺ وأبی بکر وصدراً من خلافة عمر (33)

''لوگ رسول اللہ ﷺ وعہد ابو بکرؓ اور عہد عمرؓ کے ابتدائی دور میں صلاۃ تراویح انفرادی طور پر پڑھتے تھے''۔

واضح رہے کہ حضرت عمرؓ کا لوگوں کو صلاۃ تراویح میں ایک امام کے پیچھے اکٹھا کرنا اور یہ فرمانا کہ یہ کیسی اچھی بدعت ہے۔ درحقیقت تشبیہاً ہے نہ کہ حقیقۃً۔ کیونکہ صلاۃ تراویح کا باجماعت ادا ہونا بھی سنت رسول ﷺ سے ثابت ہے۔

جیسا کہ شیخ قطان رقمطراز ہیں:

وقد جاء قيام رمضان عن النبی ﷺ وصلی رسول الله ﷺ بصحابته جماعةً ثم ترک ذلک مخافة أن تجب عليهم. (34)

''رسول کریم ﷺ کے دور میں قیام رمضان کا موقع آیا۔ آپ ﷺ نے اپنے صحابہؓ کے ساتھ جماعت کی شکل میں نماز پڑھی۔ پھر اس ڈر سے چھوڑ دی کہ کہیں ان پر فرض نہ ہو جائے''۔

محمد حسن الحجوی کہتے ہیں:

فمن آراء عمر صلاة التراويح فی رمضان وليس له فيها إلّا جمع الناس عليها فی المسجد بإمام واحد وإلا فالنبی ﷺ حض علی قيام رمضان بقوله ''من قام رمضان إيمانا واحتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه'' وكان النبی ﷺ يقومه فی المسجد فلما رآهم اجتمعوا عليه خاف أن يفرض عليهم فلم يعد للخروج إليهم. ولما آمن ذلک بموته عليه السلام ندبهم عمر إلی الإجتماع فليست بدعة شرعية بل لُغوية فقط. (35)

''حضرت عمرؓ کی ایک رائے صلاۃ تراویح کے بارے میں ہے۔ اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ لوگوں کو مسجد میں ایک امام کے پیچھے اکٹھا کیا جائے اور صرف اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے قیام رمضان کی ترغیب دی اپنے اس قول کے ساتھ: ''جس نے قیام کیا رمضان میں ایمان اور احتساب (اخلاص) کی حالت میں تو اُس کے پچھلے سارے گناہ بخش دئے جاتے ہیں''۔ نبی کریم ﷺ اس کا قیام مسجد میں کرتے تھے۔ جب آپ ﷺ نے دیکھا کہ لوگ اس پر اکٹھے ہو گئے ہیں تو آپ ﷺ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ اُن پر فرض نہ ہو جائے پھر آپ ﷺ دوبارہ مسجد کو نہ گئے۔ جب آپ ﷺ کی وفات کے بعد تراویح کے فرض ہونے کا خوف جاتا رہا تو حضرت عمرؓ نے لوگوں کو (ایک امام کے پیچھے) اکٹھا کرنے میں بہتری دیکھی۔ پس یہ شرعی طور پر بدعت نہ ہوئی بلکہ صرف لغوی تھی (یعنی الفاظ میں)''۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کا قیام اللیل کو ایک منظّم شکل عطا کرنا ان کا کارنامہ ہے۔

12۔ اُصول سدِّ ذرائع:

عہد نبویؐ، عہد صدیقیؓ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی سالوں میں اکٹھی تین طلاقوں کو ایک شمار کیا جاتا تھا جیسا کہ صحیح مسلم میں طاؤس اپنے والد سے روایت کرتے ہیں:

أنَّ أبا صهباء قال لابن عباس أتعلم أنما كانت الثلاث تُجعل واحدة على عهد النبى ﷺ وأبى بكر و ثلاثا من إمارة عمر. فقال ابن عباس نعم. (36)

''ابوصھباء نے عبداللہؓ بن عباس سے کہا کیا آپ جانتے ہیں کہ عہد رسالت اور عہد ابوبکر میں تین طلاقیں ایک شمار ہوتی تھیں اور عہد عمرؓ میں تین شمار ہوتی تھیں۔تو عبداللہ بن عباس نے کہاہاں''۔

حضرت عمرؓ نے جس بناء پر تین طلاقوں کو نافذ فرمایا تھا اس کے بارے میں علامہ ابن القیم اپنی کتاب ''**الطرق الحكمية**''، میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے قول کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ومن ذلك إلزامه للمطلق ثلاثاً بكلمة واحدة بالطلاق وهو يعلم أنها واحدة ولكن لـمّا أكثر الناس منه رأى عقوبتهم بإلزامهم به ووافقه على ذلك رعيته من الصحابة وقد أشار هو إلى ذلك فقال: إن الناس قد استعجلوا فى شئ كانت لهم فيه أناة فلو أنا أمضيناه عليهم فأمضاه عليهم ليقلّوا منه. (37)

''اور حضرت عمر فاروقؓ کے احکامات میں سے ایک حکم یہ بھی ہے کہ انہوں نے طلاق دینے والے کے لئے تین طلاق ایک ہی دفعہ شمار ہونے کا حکم لاگو کر دیا حالانکہ وہ جانتے تھے کہ وہ (تین طلاق) ایک ہی ہے۔لیکن جب لوگوں نے کثرت سے ایسا کرنا شروع کر دیا تو آپؓ نے ان کو سزا دینے کے لئے یہ فیصلہ لاگو کیا۔اور آپؓ کی رعایا میں صحابہ کرامؓ نے بھی آپؓ کی رائے سے اتفاق کیا۔اور حضرت عمرؓ نے خود اس کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا ''لوگوں نے ایسے معاملے میں جلدی کرنا شروع کر دی ہے۔جس میں ان کے لئے آسانی اور مہلت موجود تھی تو کیوں نہ میں ان کے لئے اس فیصلے کو نافذ کر دوں۔لہٰذا آپؓ نے ان پر اس فیصلے کو جاری کر دیا تاکہ لوگ ایسا کم کریں''۔

مندرجہ بالا عبارات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تین اکٹھی طلاقوں کو نافذ کرنے میں حضرت عمرؓ کی حکمت و بصیرت یہ تھی کہ لوگ اس کام سے باز آ جائیں اور دین کو کھیل نہ بنائیں اور اس خوف سے ایسا کرنا چھوڑ دیں کہ دوبارہ نکاح کی صورت باقی نہیں رہی۔حالانکہ دور رسالتؐ اور عہد ابی بکرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے ابتدائی عہد میں ایک ہی مجلس کی تین طلاقیں عموماً ایک شمار ہوتی تھیں۔ جیسا کہ ابن قیم کہتے ہیں:

ولم یکن یخفی علیه ان الثلاث کانت فی زمن النبی ﷺ وأبی بکر تجعل واحدة بل مضی علی ذلک صدر من خلافته. (38)

''اور یہ بات آپؓ پر چھپی ہوئی نہیں تھی کہ نبی اکرم ﷺ اور ابوبکر صدیقؓ کے زمانے میں (تین طلاقیں) ایک ہی واقع ہوتی تھی بلکہ حضرت عمرؓ کے پہلے دور میں بھی یہی صورتحال تھی''۔

مختصر یہ کہ چونکہ طلاق دینے کے بارے میں کوئی صریح اور واضح نص موجود نہ تھی اور حاکم یا قاضی کے لئے اس میں حالات کی مناسبت سے تصرف کی گنجائش تھی اس لئے حضرت عمرؓ نے ایک ہی مجلس کی تین طلاقوں کو نافذ کر دیا۔ باقی صحابہؓ نے آپؓ کی موافقت کی۔ اگر کوئی صریح اور واضح حکم موجود ہوتا تو حضرت عمرؓ ایسا فیصلہ کبھی نہ دیتے اور کبار صحابہؓ بھی اس معاملہ میں آپ کی موافقت نہ کرتے۔

چنانچہ جہاں تک طلاق ثلاثہ کا معاملہ ہے تو حضرت عمرؓ نے سد ذرائع کی اساس پر اس معاملہ میں توسّع اور گنجائش پا کر ہی طلاق ثلاثہ کو نافذ کر دیا گویا یہ امام کا صوابدیدی اختیار بھی ہو سکتا ہے یا حالات اور زمانے کے تقاضوں کے لحاظ سے بھی اس میں ردوبدل کیا جا سکتا ہے۔ ہمارے خیال میں اس سلسلہ میں ہر زمانے کے فقہاء اور قانونی ماہرین کے لئے اجتہاد کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔

حاصل بحث یہ کہ:

عہد نبویؐ کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا عہد اسلامی قانون سازی کے حوالہ سے سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے، کہ اس میں نہ صرف درپیش مسائل کے حوالہ سے اجتہاد کا بھرپور عمل دخل رہا بلکہ مستقبل کے حوالہ سے ایسے اصول بھی واضح ہوئے جن سے عہد حاضر کے مسائل کے حل میں بنیادی رہنمائی ملتی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اصول اجتہاد میں ایک طرف قرآن وسنت کی نصوص کی بالادستی کا تصور ہے تو دوسری طرف روح شریعت کی پاسداری بھی، یوں ان کے اصول اجتہاد میں قرآن وسنت کی روح پوری طرح جلوہ گر نظر آتی ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں ہونے والے اجتہادات کا دائرہ زندگی کے تمام شعبوں پر محیط رہا ہے، انہیں انتظامیہ سے عدلیہ کی علیحدگی اور قانون سازی میں مشاورت سے لے کر غیر مسلم اقوام کے صالح اصولوں سے استفادہ تک کے اجتہادات کی روشن مثالیں موجود ہیں۔ جن کی روشنی میں یہ کہنا بجا ہوگا کہ آج کی مسلم ریاست کے لئے متنوع عصری مسائل میں عہد فاروقیؓ کے اصول اجتہاد سے استفادہ ایک ناگزیر ضرورت کی حیثیت رکھتا ہے۔

حواشی وحوالہ جات

1۔ حضرت عمر بن الخطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن رباح بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب۔آپؐ مکہ مکرمہ کے قبیلہ قریش کی شاخ بنوعدی کی نسبت سے عدَوی کہلاتے تھے۔مگر ماں ختنمہ بنت ہاشم بن المغیرہ بن عبداللہ بن عمر مخزومی تھی۔(اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب لاہور، طبع اول، 1402ھ/ 1982ء، ج2/14)

حضرت عمرؓ کا خاندان جاہلیت میں نہایت ممتاز تھا۔آپ کے جدِّ اعلیٰ عدی عرب کے باہمی تنازعات میں ثالث مقرر ہوا کرتے تھے اور قریش کو کسی قبیلہ کے ساتھ کوئی ملکی معاملہ پیش آ جاتا تو سفیر بن کر جایا کرتے تھے اور یہ دونوں منصب عدی کے خاندان میں نسل درنسل چلے آ رہے تھے۔(معین الدین ندوی، خلفائے راشدین، دارالمصنفین اعظم گڑھ، ص95)

خطاب حضرت عمرؓ کے والد قریش کے ممتاز آدمیوں میں سے تھے۔خطاب نے متعدد شادیاں اونچے گھرانوں میں کیں۔آپ کے نانا مغیرہ اس رتبے کے آدمی تھے کہ جب قریش کسی سے لڑنے کے لئے جاتے تو فوج کا اہتمام انہی کے متعلق ہوتا تھا۔(علامہ شبلی نعمانی، الفاروق، مکتبہ رحمانیہ لاہور، ص49,50)

حضرت عمرؓ ہجرت نبوی سے 40 برس قبل پیدا ہوئے۔ شباب کا آغاز ہوا تو ان شریفانہ مشغلوں میں مشغول ہوئے جو شرفائے عرب میں عموماً رائج تھے۔یعنی نسب دانی، سپہ گری، پہلوانی اور خطابت میں مہارت پیدا کی۔ خصوصاً شہسواری میں کمال حاصل کیا۔اسی زمانہ میں انہوں نے لکھنا پڑھنا بھی سیکھ لیا۔ (معین الدین ندوی، خلفائے راشدین، ص122)

حضرت عمرؓ کی خلافت اور حکمرانی سیدنا حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے دوسرے دن صبح سے ہوئی۔نماز فجر کے بعد بیعت عام ہوئی۔اس دن جمادی الثانی کی ۲۲ تاریخ اور سن ہجری ۱۳ تھا اور شمسی حساب سے 23 اگست 634ء تھا۔(معین الدین ندوی، خلفائے راشدین، ص122)

2۔ ابو داوٗد، الامام، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داوٗد، کتاب السنۃ، باب فی لزوم السنۃ، مکتبہ امدادیہ ملتان، رقم الحدیث:3991

3۔ القرآن، سورۃ المائدہ، آیت:47

4۔ غالب بن عبدالکافی، دکتور، اولیات عمر فی الادارۃ والقضاء، مطبع مکتبہ الجیل الجدید صنعاء، 1990ء، ص98

5۔ محمد حسن الحجوی الثعالبی الفاسی، الفکر السامی فی تاریخ الفقہ الاِسلامی، الجزء الاول، المکتبۃ العلمیۃ بالمدینۃ

المنورۃ، الطبعۃ الأ ولی، 1396ھ ص238

6۔ فاروق النبھان، محمد، الدکتور، نظام الحکم فی الإ سلام، مکتبہ کلیۃ الحقوق الشریعۃ، جامعۃ الکویت ص619

7۔ القرآن، النحل، آیت:89

8۔ القرآن، الاحزاب، آیت:36

9۔ القرآن، الحشر، آیت:10

10۔ الخن، مصطفیٰ سعید، ڈاکٹر، قواعد اصولیہ میں فقہاء کا اختلاف، شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد، 2002ء ص44,45

11۔ ایضاً

12۔ القرآن، الشوریٰ، آیت:38

13۔ محمود الحسن، ڈاکٹر، مطالعہ فقہ اسلامی، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد، 2009ء ص224

14۔ غالب بن عبد الکافی، دکتور، اولیات عمر فی الا دارۃ والقضاء، ص98

15۔ مناع القطان، التشریع والفقہ فی الاسلام، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، 1982ء ص27

16۔ ساجد الرحمٰن، صدیقی، ڈاکٹر، فقہ اسلامی کا تاسیسی پس منظر، شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد، ص27

17۔ ڈاکٹر عبد القادر عودۃ، التشریع الجنائی الاسلامی، موسسۃ الرسالۃ بیروت، 1981ء ص328

18۔ محمد حسن الحجوی الثعالبی الفاسی، الفکر السامی فی تاریخ الفقہ الإ سلامی، ص238

19۔ القرآن، البقرہ، آیت:286

20۔ رواس محمد قلعہ جی، ڈاکٹر، فقہ حضرت عمرؓ، ادارہ معارف اسلامی، منصورہ لاہور، ج2 ص327

21۔ ساجد الرحمٰن، صدیقی، ڈاکٹر، فقہ اسلامی کا تاسیسی پس منظر، ص18

22۔ غالب بن عبد الکافی، دکتور، اولیات عمر فی الا دارۃ والقضاء، ص271

23۔ رواس محمد قلعہ جی، ڈاکٹر، فقہ حضرت عمرؓ، ص279

24۔ ایضاً ص280

25۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، اسلامی ریاست، مطبع الفیصل تاجران کتب لاہور، 1999ء ص64

26۔ محمد حسن الحجوی، الفکر السامی فی تاریخ الفقہ الإ سلامی، ج1 ص233

27۔ رواس محمد قلعہ جی، ڈاکٹر، فقہ حضرت عمرؓ، ص172

28۔ غالب بن عبد الکافی، دکتور، اولیات عمر فی الا دارۃ والقضاء، ص99

29۔ ایضاً

30۔ ایضاً،ص100

31۔ ایضاً، ص137

32۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، لإمام، صحیح البخاری، کتاب صلاۃ التراویح، باب فضل من قام رمضان، دار السلام للنشر والتوزیع الریاض السعودیۃ، 1619ھ، رقم الحدیث:1869

33۔ مناع القطان، التشریع والفقہ فی الاسلام، ص146

34۔ ایضاً

35۔ محمد حسن الحجوی، الفکر السامی فی تاریخ الفقہ الإسلامی، ص233

36۔ مسلم بن حجاج، الإمام، صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب طلاق الثلاث، مکتبہ رحمانیہ لاہور، 1995ء، رقم الحدیث:2690

37۔ ابن قیم الجوزیہ، العلامۃ، الطرق الحکمیۃ فی السیاسۃ الشرعیہ، دار الکتب العلمیہ بیروت، 1993ء، ص16

38۔ ایضاً